© rasailojaraid.com

مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر
ترجمان القرآن کا انتساب

از: ۔ مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب، ھواتی

مولانا محمد یوسف صاحب کوکنی ایم۔ اے نے حال ہی میں حافظ ابن تیمیہؒ پر ایک بڑی ضخیم اور محققانہ کتاب تصنیف کرکے شائع کی ہے اس کو پڑھ کر مدراس کے ایک نامور فاضل اور بزرگ مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب ھواتی نے موصوف کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں مذکورہ بالا کتاب سے متعلق رائے کے اظہار کے علاوہ حکیم صاحب نے ضمناً اس شخص کی بھی نشاندہی کردی ہے جس کے نام مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب ترجمان القرآن کو معنون کیا ہے۔ چونکہ یہ انکشاف بہت اہم ہے اور ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے اس لئے خط کے فاضل مکتوب الیہ اور کاتب دونوں کے شکریہ کے ساتھ ہم اس کو ذیل میں شایع کرتے ہیں۔

(برہان)

اے باد اگر بگلشن احباب بگزری ‏ ‏ ‏ زنہار عرض دہ بر جاناں پیام ما
گو نام ما ز یاد بعمدا چہ می بری ‏ ‏ ‏ خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما

یوسف ایھا الصدیق! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

گلگزاری کے سلسلے میں مذکرہ بالا قطعہ پر اکتفا کرتا ہوں اس سے آگے قدم بڑھانا مناسب نہیں ہے

اگر یک سر موئے برتر پرم ‏ ‏ ‏ فروغ تجلی بسوزد پرم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی عدیم النظیر اور لاجواب تصنیف "امام ابن تیمیہؒ" کو میں نے بالاستیعاب پڑھا۔ اس قدر خوش ہوا کہ تنم درجامہ نگنجید" کتاب پڑھتا جاتا تھا اور آپ کو دعائیں دیتا رہتا تھا۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ ٥

اے وقتِ تو خوش باد کہ وقتِ مارا خوش کردی

ع این کار از تو آید و مرداں چنین کنند

دیکھنے میں تو چند صد صفحات کی کتاب ہے۔ لیکن درحقیقت علوم عقلیہ و نقلیہ کا ایک بھرپور خزانہ ہے۔ لوگ تو اسے شاید مطول کہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ ایک مختصر کتاب ہے۔ علمِ معانی میں مختصر کی تعریف قلیل المبانی کثیر المعانی" ہے اور یہ تعریف آپ کی کتاب پر ہوبہو صادق آتی ہے۔ مابین الدفتین تو مختصر سی کتاب دکھائی دیتی ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک بڑا کتب خانہ ہے۔ اسے علومِ اسلامیہ کا انسائکلوپیڈیا کہنا بجا ہے۔ فقہ۔ اصول۔ تفسیر، حدیث۔ منطق۔ فلسفہ۔ علم کلام۔ تصوف۔ تاریخ، علمِ معانی و بیان۔ صرف اور نحو کا مجموعہ ہے۔ ابو نواس کا یہ شعر اس پر صادق آتا ہے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

کاش یہ کتاب دو سال پہلے شائع ہو جاتی اور حضرت ابن تیمیہؒ کے سب سے بڑے قدردان کی نظر سے گذر جاتی تو وہ کس قدر خوش ہو جاتے۔ میں نے مولانا آزاد سے بڑھ کر کسی اور کو حضرت ابن تیمیہؒ کا قدردان نہیں دیکھا ہے۔ آپ نے ابتدائے کتاب میں "تذکرہ" کا ذکر کیا ہے کہ مولانا آزاد نے "تذکرہ" میں ابن تیمیہؒ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تذکرہ سے تین سال قبل مولانا آزاد نے ۱۹۱۵ء میں البلاغ میں حضرت ابن تیمیہؒ کا ذکر نہایت خوشگوار اور قیمتی الفاظ میں کیا ہے۔ دارالارشاد میں حضرت مولانا آزاد کے پاس مولوی منظہر الدین شیر کوٹی مرحوم "الامان" والے کام کرتے تھے۔ انھوں نے البلاغ میں تفسیر سورۂ والتین کے عنوان سے ایک مبسوط مضمون لکھا اور تین اور زیتون کے غذائی اور طبی فوائد گنا کر ان کی عظمت اور اہمیت ثابت کی کہ انھیں فوائد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پھلوں کی قسم کھائی ہے۔ اس پر جناب وہی احمد صاحب بلگرامی نے اعتراض کیا کہ ان دونوں پھلوں سے اور بھی پھل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے ہیں کہ ان کے فوائد متذکرہ بالا پھلوں سے بھی زیادہ اور وقیع ہیں۔ پھر ان دونوں کی خصوصیت کیا ہے اور مولانا سے استدعا کی تھی کہ مظہر الدین صاحب کے مضمون سے تشفی نہیں ہوتی۔ آپ ہی روشنی ڈالئے۔ اس سوال سے مولانا آزاد کے بحرِ ذخار علم و ادراک میں جوش اور تموج پیدا ہوگیا اور ایسا بلند پایہ اور عالمانہ مضمون سپردِ قلم فرمایا کہ لوگ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے۔ یہ مضمون البلاغ کے دو نمبروں میں شایع ہوا تھا۔ مولانا آزاد نے لکھا تھا کہ مولوی مظہر الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے تفسیر کبیر کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ کو اللہ تعالیٰ نے اور تو سب کچھ دیا ہے لیکن چشم حقیقت بیں سے محروم رکھا ہے۔ یہ شرف اور مجد الہ العالمین نے حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کو عطا فرمایا ہے۔ اُن کا دل اور دماغ حقائق و معارف سے مالا مال ہے۔ مولانا آزاد نے حضرت ابن تیمیہؒ کے حوالے سے مضمون سپرد قلم کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ تین اور زیتون سے مراد یہ تین اور زیتون جو پھل ہیں مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اشارہ ہے سرزمینِ شام کی طرف۔ چونکہ یہ دونوں پھل شام کی پیداوار ہیں اس لئے ان کا ذکر بر سبیل ذکر حال اور مراد محل ہے۔ اور یہ اشارہ ہے دعوتِ عیسوی کی طرف جس طرح طور سینین سے مراد دعوت موسوی اور ہذا البلد الامین سے دعوت محمدی مراد ہے۔ اس مضمون میں مولانا آزاد نے امام رازیؒ پر سخت تنقید کی تھی اور حضرت امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل اور اصابتِ رائے کی بڑی تعریف فرمائی تھی اس سے پہلے حضرت امام ابن تیمیہؒ کے متعلق میرے خیالات ٹھیک نہیں تھے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ ۱۹۰۰ء میں جب میں فلسفۂ قدیم پڑھ رہا تھا تو میبذی کی الٰہیات میں یہ قول "الموجود مع کونہ واجبا قد انبسط فی ھیاکل الموجودات" جب آیا تو مولانا عبد الحنان صاحب نعمانی جو اس وقت افغانستان میں فلسفہ اور منطق پڑھانے میں اپنی نظیر آپ تھے اور میں ان کے پاس پڑھ رہا تھا اور وہ مولانا عبد الحق خیر آبادی کے شاگرد رشید تھے اور بہت اچھے صوفی منش عالم تھے انھوں نے قول متذکرہ بالا کی بڑی تشریح فرمائی اس ضمن میں انھوں نے علامہ امام ابن تیمیہؒ پر سخت رد و قدح کی اور کہا وہ اصحاب ظواہر سے ہیں۔ ان کی آنکھ میں حقیقت بیں بصارت نہیں ہے صرف علم و فضل سے کوئی واصل الی المطلوب نہیں ہو سکتا۔ قال سے حال کو کوئی پہنچ نہیں سکتا وغیرہ وغیرہ۔ استاد کا اثر شاگرد پر بہت گہرا ہوتا ہے میں بھی متاثر ہوا اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق سخت بدظن تھا. لیکن ۱۹۱۵ء میں سراج الاخبار افغانیہ کابل کے دفتر میں جب البلاغ کے پرچے نظر سے گذرے تو مولانا آزاد کے مضمون سے میں بہت متاثر ہوا اور میں نے جناب علامہ محمود طرزی ایڈیٹر سراج الاخبار افغانیہ سے عرض کیا کہ ان پرچوں کو مجھے مستعار دیدیجئے. میں انھیں اپنے استاد مولانا عبدالحنان صاحب متوطن نغمان کے پاس لے جانا چاہتا ہوں تاکہ وہ مطالعہ فرماکر شاید اپنی رائے جو علامہ ابن تیمیہؒ کے متعلق ہے تبدیل کردیں. انھوں نے پرچے عنایت فرمائے. نغمان کابل سے چار دن کی مسافت پر ہے میں وہاں سے براہ تنگ غارو پیدل روانہ ہوا اور چوتھے روز مولانا عبدالحنان صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا اور پرچے سامنے رکھدیئے. انھوں نے شوق سے تینوں پرچوں کو ملاحظہ فرمایا اور مولانا آزادؒ کی حق گوئی اور تبحر علمی کی بڑی تعریف فرمائی کہ اب امام فخرالدین رازیؒ اصلی خدوخال میں نظر آرہے ہیں مولانا رومؒ نے بھی امام رازیؒ کی مشائیت نواز طرزِ عمل کا پردہ چاک کردیا ہے ؎

گر بہ استدلال کار دیں بدے فخر رازی رازدار دیں بدے

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

مگر ہم لوگوں پر امام رازیؒ کا ایسا جادو چلا تھا کہ ان کے قول کو ہم ہمیشہ کے لئے دوسرے اقوال پر ترجیح دیتے تھے. مضمون نگار صاحب (مولانا آزاد) بڑے جری اور حق گو معلوم ہوتے ہیں. اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے. یہ تو انھوں نے ہماری بڑی رہنمائی کی اور حضرت امام ابن تیمیہؒ کے متعلق جو ہم کو غلط فہمی لاحق ہوئی تھی وہ اس مضمون کے پڑھنے سے بالکل دور ہوگئی. مولوی دین محمد صاحب قندھاری دوزمین بیدہ پیشتر آئے تھے وہ بھی ابوالکلام صاحب کی جامعیت اور تبحر علمی کی تعریف کررہے تھے اور ارادہ رکھتے تھے کہ کلکتہ جاکر ابوالکلام صاحب کے قائم کردہ دارالارشاد میں شریک ہوکر ان سے معارفِ قرآنی کا درس حاصل کریں. میں نے ان کو اس وقت سخت ملامت کی تھی کہ بایں قدر علم و فضل ایک معمولی اخبار نویس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا علم کی توہین ہے. لیکن وہ اس بات پر مصر تھے کہ آپ نے البلاغ دیکھا ہی نہیں ورنہ آپ ایسا نہ کہتے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

اب اس مضمون کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ مولوی دین محمد صاحب قندھاری جو کہہ رہے تھے وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ قندھار سے ان کا ایک خط آیا تھا میں نے اس کا اب تک جواب نہیں دیا ہے اب لکھوں گا اور اس مضمون کا حوالہ دوں گا۔

مولوی دین محمد صاحب قندھاری میرے بڑے دوست تھے معقولات میں تو وہ مولانا فضل حق صاحب رام پوری اور مولانا بردل قندھاری کے شاگرد تھے۔ قاضی محمد مبارک، حمد اللہ، شمس بازغہ میر زاہد امور عامہ ان کو از بر تھیں، اخیر میں معقولات کی طرف ان کا رجوع ہوا اور اس میں اس قدر منہمک ہوئے کہ فقہ، حدیث اور تفسیر کے سوا باقی تمام علوم کو گلدستۂ نسیاں کر دیا اس قدر دینیات میں مستغرق رہے کہ کسی کو نہیں چھوڑا جہاں معلوم ہوا کہ فلاں بحث میں فلاں شخص کو درک اور ملکہ حاصل ہے بلا خوف لومۃ لائم ان کے پاس پہنچے اور استفادہ کر لیا۔ ایک روز لکھنؤ میں میرے یہاں پہنچے۔ میں نے کہا کہ یہاں کیسے آئے، کہنے لگے کانپور گیا تھا۔ مدرسہ الہیات میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ایک مہینہ رہا۔ اب وہاں سے آ رہا ہوں۔ میں نے کہا۔ استغفر اللہ! آپ اور مدرسہ الہیات کانپور، وہاں کے اساتذہ بھی تو آپ کی شاگردی کی استعداد نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ آپ ان سے تعلیم حاصل کریں۔ انھوں نے کہا چپ رہ بہت سے معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ بغرض تحصیل علوم دینیہ کا ان کو بڑا شوق تھا۔ کلکتہ کو تو وہ نہ جا سکے کیونکہ مولانا آزاد کو بہت جلد گورنمنٹ نے خارج البلد کر دیا۔ نہ البلاغ رہا اور نہ دار الارشاد لیکن رانچی پہنچے تھے۔ قندھار سے تا بہ رانچی بہت لمبا سفر ہے۔ یہ سفر انھوں نے اکثر پا پیادہ کیا تھا۔ کچھ دن تک مولانا آزاد کے پاس رہے اور استفادہ کیا۔ حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآرا تفسیر ترجمان القرآن کو ان کے نام پر معنون کیا ہے۔ چنانچہ ترجمان القرآن جلد اول میں "انتساب" کے عنوان سے جو مختصر سا مضمون ہے اس میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہیں کی اور قندھار میں ۱۹۲۴ء میں انتقال کر گئے۔ اور مولانا آزاد کی تفسیر کے دیکھنے کا ان کو اتفاق نہیں ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا آزاد کا ذکر آیا تو کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ؎

ازیں افیوں کہ ساقی در مے افگند　　حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

آپ کی یہ تصنیف "امام ابن تیمیہ" اس قابل ہے کہ کم از کم جامعہ دار السلام عمر آباد کے نصاب تعلیم میں رکھی جائے۔ کیونکہ اس بے نظیر کتاب میں جو معلومات ہیں وہ بڑی بڑی کتابوں میں بھی یکجا نہیں ہیں۔ اگر یہی کتاب کسی کو مستحضر رہی تو وہ ہر فن کے موضوع پر بڑی جامعیت کے ساتھ بحث کر سکتا ہے۔ اہل توحید اور سلف صالحین کا صحیح عقیدہ اگر کوئی حاصل کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ قدس اللہ العزیز کا نمونہ سامنے رکھے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب مرحوم کی کتاب کشاف الہدیٰ جب شایع ہوئی اور میری نظر سے گذری تو میں ان دنوں جامعہ دار السلام کے طبی کلاسز کا پروفیسر تھا۔ میں نے حضرت مولانا الحاج فضل اللہ صاحب مرحوم ناظم جامعہ سے عرض کیا کہ کتاب بہت اچھی اور متنوعہ معلومات سے لبا لب ہے۔ اسے جامعہ کے نصاب تعلیم میں رکھنا چاہیئے۔ اس وقت جامعہ کا نصاب بن رہا تھا۔ جو کمیٹی نصاب تعلیم مرتب کرنے پہ مامور تھی اس کا میں بھی ایک ممبر تھا۔ میں نے تحریک کی اور جناب مولوی مجتبیٰ خاں صاحب شاہ جہاں پوری نے بڑے زور سے اس کی تائید کی نتیجہ یہ نکلا کہ درس میں تو نہیں لیکن بطور مطالعہ رکھی گئی جس سے طلبہ نے بڑا فائدہ حاصل کیا۔ کشاف الہدیٰ اور آپ کی کتاب میں آسمان اور زمین کا فرق ہے جب کشاف الہدیٰ کو بطور مطالعہ رکھا گیا تھا تو پھر "امام ابن تیمیہ" کو تو ضرور درس میں شامل کر دینا چاہیئے۔ میرا اثر و رسوخ اس وقت جامعہ میں چنداں زیادہ نہیں ہے۔ پھر بھی میں کوشاں ہوں خدا کرے کہ کامیابی ہو جائے۔ اس وقت تک تو دو چار اساتذہ کو ہموار کر چکا ہوں۔ انھوں نے میری رائے کی تائید کی ہے اور اس تحریک کو نعم التجویز کہا ہے۔ لیکن بڑا خطرہ آپ کے ماموں مولانا شاکر صاحب سے ہے کیونکہ وہ صوفی صافی ہیں اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ تو صوفیائے کرام کے سخت مخالف بلکہ دشمن ہیں۔ میرے خیال میں وہ حضرت امام تیمیہؒ" کو درس میں رکھنے پر بمشکل رضامند ہوں گے۔ میں نے ان کا عندیہ اب تک معلوم تو نہیں کیا ہے۔ بہ صرف بالا بالا کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری اس نیک خواہش اور ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آمین یارب العالمین۔

صفاتِ باری میں حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کا مسلک بہت ٹھیک ہے۔ متکلمین نے تو اس بارے میں بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ خود شارح عقائد نسفی نے اپنی بے بسی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ "ولصعوبۃ ھذا المقام ذھبت المعتزلۃ والفلاسفۃ الی نفی الصفات والکرامیۃ الی حدوثہا والمحققین من المتکلمین الی لاعینیتہا والی لاغیریتہا۔"

میرے قلم میں وہ جولانی اور زور نہیں ہے کہ میں اپنے تاثرات کما ینبغی قلم بند کرسکوں۔ آپ کی کتاب کی تعریف کے لئے آپ جیسے تبحر اور فاضل اجل عالم کے قلم کی ضرورت ہے۔ میں اپنے جذبات اور تاثرات سے مجبور ہو کر کچھ الٹا سیدھا لکھنے لگا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اہل زبان نہیں ہوں اور نہ میں نے اردو میں تعلیم پائی ہے۔ بس یوں دیکھا دیکھی اور بے سروپا اردو لکھ رہا ہوں۔ میری مثال اس بوڑھیا کی طرح ہے جو اپنے سوت (کاتے ہوئے) کو لیکر حضرت یوسفؑ کی خریداری کے لئے بازار مصر میں نکل تھی ؎

فی الجملہ نسبتے بہ تو کافی بود مرا بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

ورنہ

؏ سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

اور میرے پاس سفینہ تو کجا ناؤ تک نہیں ہے۔

اب ایک دو گذارش بھی سنئے گا

صفحہ ۸ پر آپ نے لکھا ہے کہ علامہ خواجہ نصیر الدین طوسی (محقق طوسی) کو ہلاکو خاں نے اپنا وزیر بنا دیا تھا۔ لیکن یہ مشہور غلطی ہے بہت سے لوگوں نے محقق طوسی کو ہلاکو خاں کا وزیر لکھا ہے۔ حضرت مولانا شبلیؒ نے بھی شعر العجم حصہ دوم میں محقق طوسی کو ہلاکو خاں کا وزیر لکھا ہے۔ اس پر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم لکھتے ہیں

"محقق طوسی کی وزارت کا قصہ کسی اصلیت پر مبنی نہیں ہے۔ تاریخیں متفق ہیں کہ ہلاکو کا پہلا وزیر امیر سیف الدین بتکچی بہادر بن عبد اللہ خوارزمی تھا جو بحیثیت وزیر ۶۵۳ھ میں ہلاکو کے ساتھ ہی ایران میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتا ہے اور فتح بغداد کے بعد نجف اشرف کی حفاظت کے لئے ہلاکو سے سو مغولی سپاہی مانگتا ہے۔ ۶۶۱ھ میں جب ہلاکو برکہ خاں بادشاہ قپچاق کی جنگ کے لئے جاتا ہے وزیر موصوف دشمنوں کی بدگوئی کی بنا پر خان کے حکم سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس واقعے کے بعد دیوان شمس الدین محمد جوینی منصب وزارت پر سرفراز ہوتے ہیں۔ اور مستقلاً ۲۲ سال برابر یعنی باقی ایام ہلاکو و کامل عہد اباقا خان و سلطان احمد اس عہدۂ جلیلہ پر ممتاز رہتے ہیں۔ خود محقق طوسی نے کتاب اوصاف الاشراف صاحب دیوان کے نام پر اور کتاب ترجمہ ثمرۂ بطلیموس ان کے فرزند خواجہ بہار الدین محمد حاکم اصفہان کے نام پر لکھی ہے"۔ (تنقید شعر العجم ۲۴۳)

شیخ الرئیس کی تصنیف "اشارات" کی دو شرحیں مشہور ہیں ایک شرح اشارات لامام رازیؒ اور دوسری شرح اشارات لمحقق طوسی۔ اول الذکر درس میں نہیں ہے۔ لیکن موخر الذکر درس نظامی میں ہے ۱۹۰۸ء میں میں نے یہ سبقاً پڑھی تھی۔ یہ کتاب محقق طوسی نے کسی اور امیر کے نام پر لکھی ہے۔ ہلاکو خاں کے نام پر نہیں ہے۔ میں نے جامعہ دار السلام میں ڈھونڈی ہے۔ مگر وہاں نہیں ہے۔ پچاس سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ میں نے پڑھی تھی۔ پھر دیکھنے میں نہیں آئی اس لئے اس امیر کا نام یاد نہیں رہا۔

صفحہ ۵۳۰ پر آپ نے حضرت ابن تیمیہؒ کا قول یوں نقل کیا ہے "ولکن ھذہ الفلسفۃ التی یسلکھا الفارابي وابن سینا وابن رشد والسھروردی المقتول ونحوہ فلسفۃ المشائین وھی المنقولۃ عن ارسطو الذی یسمونہ المعلم الاول"

فلاسفہ میزانین اور متکلمین نے "عالم" کے چار قسم کئے ہیں۔ صوفی، اشراقی، متکلم، مشائی اور وجہ انحصار یوں لکھی ہے کہ عالم یا تو اثبات مدعیٰ استدلال سے کرتا ہوگا اور یا تزکیہ نفس سے اور ان میں سے ہر ایک یا تو تابع دین سماوی ہوگا یا نہ ہوگا۔ جو استدلال سے کام لیتا ہو اور تابع دین سماوی ہو وہ متکلم ہے اور جو تابع دین سماوی نہ ہو اور استدلالی ہو وہ مشائی ہے۔ جیسے ارسطو اور اس کے متبعین اور جو تزکیہ نفس سے کام لیتا ہو اور ساتھ اس کے تابع دین سماوی ہو وہ صوفی ہے اور جو تابع دین سماوی نہ ہو وہ اشراقی ہے جیسے کہ افلاطون اور اس کے متبعین۔ شیخ شہاب الدین مقتول مشائی نہیں بلکہ اشراقی ہے اور معمولی اشراقی بھی نہیں بلکہ شیخ الاشراق کے لقب سے مشہور ہے اس کو مشائیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صف میں کھڑا کر دینا اس پر سخت ظلم ہے۔ مشائیوں کا تو وہ اس قدر خلاف ہے جس قدر کہ خود ابن تیمیہؒ خلاف ہیں۔ ان کی مخالفت کا نقشہ کوئی دیکھنا چاہے تو صدرا مصنفہ صدر الدین شیرازی کا مطالعہ کرے۔ بحث اثبات ہیولی میں مشائیوں اور اشراقیوں کی جو لڑائی ہے اس میں اشراقیوں کی طرف سے مشائیوں کے مقابلے میں شیخ شہاب الدین مقتول (شیخ الاشراق) اشراقیوں کے سپہ سالار معلوم ہوتے ہیں اور مشائیوں پر سخت حملے کر رہے ہیں اور ان کے دلائل کی بڑی عمدگی سے تردید کرتے جاتے ہیں۔

آپ نے ایک سے زیادہ مرتبہ لکھا ہے کہ شہاب الدین دو ہیں ایک مقتول اور دوسرے صاحب طریقہ یعنی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔ طبقات الاطبا لابن ابی اصیبعہ میں ان دونوں شہاب الدینوں کا تذکرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں طبیب بھی تھے۔ حسن اتفاق سے یہ دونوں شہاب الدین مشائیوں کے سخت خلاف ہیں۔ مقتول کا تو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی سنئے گا۔ طبقات الاطباء میں یہ تین شعر حضرت موصوف کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ؎

وکم قلت للقوم انتم علی — شفا حفرۃ من کتاب الشفا

فلما استہانوا بتوبیخنا — فزعنا الی اللہ حسبی کفا

فماتوا علی دین رسطالیس — وعشنا علی ملۃ المصطفا

شفا شیخ الرئیس کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے الہیات میں شیخ الرئیس نے بہت کچھ بکواس کی ہے مثلاً عالم معاد کا انکار، حشر جسمانی کا انکار، دوزخ اور جنت کا انکار، عذاب قبر کا انکار، ملائک کا انکار ہے اور بھی بہت سے خرافات اس میں بھر دیئے ہیں۔ شیخ الرئیس ارسطو کا متبع ہے اور ارسطو سرخیل مشائین ہے۔

خط لکھنے جب بیٹھا تو یہ خیال تھا کہ پہلے مسودہ کر کے پھر مبیضہ کر دیا جائے گا۔ مبیضہ آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا اور مسودہ میں اپنے پاس رکھوں گا۔ اس لئے ردی کاغذ پر لکھنا شروع کیا۔ مگر خط لمبا ہو گیا۔ اب ہمت صاف کرنے کی نہیں رہی۔ اس لئے مسودہ ہی آپ کی خدمتِ والا میں بھیج رہا ہوں۔ فروگذاشتیں بہت ہیں اور مجھے صاف کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ آنکھیں بھی جواب دے رہی ہیں۔ اچھا اب اجازت دیجئے گا۔ زیادہ والسلام۔

© rasailojaraid.com